ہمارا فیصلہ

ایک لمحے کا کروڑواں حصہ ضائع کیے بغیر ہمارا اٹل فیصلہ ہے کہ آئینِ انسانیت یعنی قرآن وسنت کو ہی حق ہے کہ وہ آئینِ پاکستان ہو اس لیے کہ:

☆ قراردادِ پاکستان میں جب ہم نے طے کرلیا کہ ''مسلمانانِ پاکستان کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق زندگیاں گزاریں گے'' تو یہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ قرآن وسنت آئینِ پاکستان ہو۔

☆ ہم مسلمان ہیں اور اس میں کیا شک کہ قرآن وسنت کی پیروی کے بغیر کوئی مسلمانی نہیں۔ قرآن وسنت کو بطور آئینِ زندگی اور دستورِ مملکت اختیار نہ کرنا درپردہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم مسلمان بن کر نہیں رہنا چاہتے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر اتارتے وقت صرف یہی نہیں کہا کہ:

''تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہو گا'' (بقرۃ:38)۔

بلکہ اگلی ہی آیۂ کریمہ میں یہ بھی کہا کہ:

''اور جو اس (میری ہدایت) کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو (اور کسی حد تک جنوں کو) صوابدیدی اختیارات دے رکھے ہیں یعنی ایک مدت تک انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہیا کردہ ہدایات وقوانین پر عمل کرے یا نہ کرے لیکن ایک بات بڑی واضح کہ اسے ''کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہونے'' کی سعادت ہوگی تو ہدایات وقوانین (اس آخری دور میں قرآن وسنت) پر عمل پیرا ہونے سے۔ بصورتِ دیگر یعنی قرآن وسنت پر عمل نہ کرنے سے اسے ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو کبھی بجھنے والی نہیں۔ قرآن وسنت پر عمل کما حقہٗ ایک ہی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قرآن وسنت ہی آئینِ پاکستان ہو۔ سو فیصد غلط ہے ہماری موجودہ روش کہ ہم نے ایک خودساختہ کتابچے کو آئینِ پاکستان بنا رکھا ہے۔ ربّ کائنات کے بیان کردہ حکم کے مطابق تو یہ روش ان لوگوں کی ہے جو آگ میں جانے والے ہیں۔

☆ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ ارض کے انسانوں کو قرآن وسنت کی شکل میں فطری قوانین دے رکھے ہیں، ویسے ہی باقی کائنات میں فطری قوانین رواں دواں ہیں۔ فرق ہے تو اتنا کہ زمین پر ان فطری قوانین کو نافذ کرنا بالواسطہ یعنی انسانوں کے ذریعہ سے ہے جبکہ باقی کائنات میں تکوینی طور پر براہِ راست یہ فطری قوانین نافذ ہیں۔ سورج، چاند، پانی، ہوا وغیرہ بال بھر اس قانون سے انحراف نہیں کرسکتے جو ازل سے ان پر لاگو ہو چکا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ زمین کے علاوہ باقی کائنات میں فتنہ وفساد، ظلم وجور، افراط وتفریط کا کوئی امکان نہیں۔ ہر ہر دائرۂ کار اور وسعتِ افلاک میں سکون وراحت اور ہم آہنگی ہے۔ وہی سکون وراحت اور ہم آہنگی اہلِ زمین کو بھی میسر ہوا گر وہ ان ہی ہدایات وقوانین کو جو انہیں وحی کی شکل میں، جیسے کہ اوپر ذکر ہوا، پوری انسانی تاریخ پر مہیا کیے گئے۔ فطری ماحول فطری قوانین وہدایات کو نافذ کرنے سے ہی جب میسر آسکتا ہے تو ایک ہی صورت میں کہ قرآن وسنت ہی ہمارے ہاں آئینِ مملکت ہو۔

☆ کچھ سطح بیں لوگوں کا خیال ہے کہ 73ء کا آئین اسلامی ہے لیکن ہمارے ہاں اسلامی نظام اس لیے رواں دواں نہیں ہو رہا کہ اس اسلامی آئین کو چلانے والے غیر اسلامی ہیں۔ بڑا ضروری ہے کہ اس آئین کا تجزیہ کیا جائے یہ جاننے کیلئے کہ 73ء کا آئین کس قدر اسلامی ہے؟ زیادہ تر درج ذیل چار وجوہات ہیں کہ جن کی بنا پر مروجہ آئینِ پاکستان کو اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔

1۔ قراردادِ مقاصد جو جید علماءِ کرام کی کاوشوں سے تیار شدہ ہے اور جسے ایک طرح آئین کی نیت کی حیثیت حاصل ہے، اب 73ء کے آئین کا حصہ ہے۔

2۔ اس میں یعنی 73ء کے آئین میں اسلام کو ملک کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔

3۔ اس میں درج ہے کہ آئندہ کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

"No law shall be enacted which is repugnent to the teachings of Islam as laid down in the Holy

Quran and Sunnah." (Article:227)

4۔موجود قوانین سے جو قانون ثابت ہو جائے کہ غیر اسلامی ہے اسے قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

"All existing laws shall be brought in confirmity with the injections of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah." (Article:227)

یہ چاروں وجوہات جو بظاہر بہت دل لگتی ہیں حقیقت کے اعتبار سے اس قدر ناقص اور بے سروپا ہیں کہ خود انہوں نے پورے آئین کو غیر اسلامی بنا دیا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ یہ گزشتہ صدی کا سب سے بڑا دھوکہ تھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔آیئے دیکھیں کیسے؟

جہاں تک قراردادِ مقاصد کا تعلق ہے تو اس کا آغاز بجا طور پر اس عقد کے ساتھ ہوتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اسی شق کے دوسرے حصے میں یہ بیان ہوا ہے کہ ''پاکستان کے لوگوں کو جو اقتدار واختیار (Authority) اس (اللہ) کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا وہ ایک مقدس امانت ہے۔اگلی ہی شق میں اسی بات کو ان الفاظ سے تقویت دی گئی ہے کہ ''ریاست اپنے اقتدار واختیار کو لوگوں کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ بروئے کار لائے گی''۔

کاش پہلی شق میں ''پاکستان کے لوگوں کی بجائے' پاکستان کے مسلمانوں'' کا اور دوسری شق میں ''لوگوں کے منتخب نمائندوں کی بجائے' مسلمانوں کے منتخبہ نمائندوں'' کے الفاظ ہوتے اس لیے کہ موجود جملوں کے استعمال نے غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کے اقتدار واختیار میں شامل کر کے نہ صرف پورے آئین کو غیر اسلامی کر دیا ہے بلکہ دو قومی نظریے کا بھی کباڑا کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ جب غیر مسلموں یعنی اپنے باغیوں کو اپنا اقتدار واختیار تفویض نہیں کرتا تو قراردادِ مقاصد کے مصنفین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسا اعلیٰ وارفع اقتدار واختیار غیر مسلموں کو الاٹ کریں؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ''اسلام پاکستان کا ملکی مذہب ہوگا'' خود یہ شق اس لیے غیر اسلامی ہے کہ پورے ذخیرۂ قرآن وسنت میں کہیں بھی اسلام کو مذہب کے نام سے نہیں تعبیر کیا گیا۔تعبیر نہ کرنے میں بڑی حکمت مضمر ہے۔مذہب کی اصطلاح کو زیادہ یہودیت نے استعمال کیا ہے یا عیسائیت نے۔یعنی دنیا کے وہ گروہ جو کبھی خود دینِ اسلام میں تھے۔دینِ حق سے نکل کر انہوں نے مذہب کی اصطلاح استعمال کی تو ان لوگوں کیلئے جنہوں نے زندگی کے ہر دائرۂ کار سے اللہ کے قانون کو نکال کر اپنی پوجا پاٹ کو کبھی کبھار کیے جانے والے چند مراسمِ عبودیت تک محدود کر دیا۔دینِ حق جبکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہوتا ہے مذہب ایک نجی' زیادہ تر انفرادی زندگی میں اللہ کے قانون کی بجائے من مرضی کرنے کے گورکھ دھندے کا نام ہے۔سیکولرازم کا سارا تانا بانا اسی فلسفہ کے گرد گھومتا ہے۔یہودیوں اور عیسائیوں نے مذہب کی اصطلاح استعمال کی تو دینِ حق سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلیے۔دوسرے لفظوں میں مذہب والے عملی زندگی کے ہر دائرہ کار میں اللہ ورسول ﷺ کی مداخلت کے حق میں نہیں۔اہلِ پاکستان اس بارے میں بڑے خلوص کے ساتھ آئینِ پاکستان اپنائے ہوئے ہیں۔ہمارے ہاں نماز روزے وغیرہ کی رسمی شکلیں تو ہیں' اسلامی نظام نہیں ہے تو اس لیے کہ 73ء کا آئین دینِ اسلام کا دعوے دار ہے ہی نہیں۔اسلامی نظام قائم کرنے کے داعی نوٹ کر لیں' اس آئین کے ذریعہ سے وہ ملکِ عزیز میں مذہب کو تو وجود پذیر کر سکتے ہیں بلکہ کیے ہوئے ہیں' دینِ حق کو کبھی نہیں۔

73ء کے آئین کو اسلامی قرار دینے والے ذرا یہی سوچیں کہ کسی بھی ملک کا نظامِ زندگی وہاں پر اپنائے گئے آئین کا پروڈکٹ ہوتا ہے۔اشتراکی آئین اگر امریکہ میں جا نافذ کیا جائے تو معرضِ وجود میں آنے والا نظام اشتراکی ہوگا اور اگر مغربی جمہوریت پر مبنی آئین روس والے اختیار کر لیں تو نظامِ زندگی جو روسیوں کو میسر ہوگا' جمہوری ہوگا۔قرآن وسنت کی بجائے 73ء جیسا کوئی آئین اگر دورِ خلافتِ راشدہ میں نافذ کیا جاتا تو زیرِ آسماں خلافتِ راشدہ کا سا نظام کبھی وجود پذیر نہ ہوتا۔ماضی میں ہمارے ہاں متعدد حکومتیں کرپشن کے الزام میں برخاست کی گئی ہیں۔قرآن وسنت کو اگر ملکِ عزیز میں بطور آئین اختیار کیا گیا ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔ہوا تو اس لیے کہ وہ آئین جو کرپٹ نظامِ زندگی معرضِ وجود میں لایا' خود کرپٹ تھا' ایک دھوکہ تھا' سراب تھا۔بقول شاعر:

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو
یہ کیا فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

کسی گھر کا نظام اگر باطل ہو تو باہر مسلمانوں کے نام کی تختی کا ہونا بے معنی ہوتا ہے۔باطل بلکہ منافقانہ نظام ہے جس میں ہم اہلِ پاکستان رہ بس رہے ہیں' خود نوشتہ آئین میں لفظِ ''اسلام'' اگر کہیں تحریر میں لے آیا جائے تو چہ معنی دارد؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا تو یہ جملہ خود قرآن وسنت کیخلاف ہے۔قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ ان الحکم الا للہ۔عام انسان تو کس باغ کی مولیٰ کسی پیغمبر کو بھی قانون سازی کا حق حاصل نہیں۔قرآن وسنت میں اس کیلئے متبادل انتظام ہے اور وہ ہے اجتہاد کا۔کسی ایسی صورتِ حال کہ جس کیلئے قرآن وسنت میں کوئی نص نہ ملے تو ایسے میں اجتہاد کی اجازت ہے۔اجتہاد کو زیادہ سے زیادہ ذیلی قانون سازی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ عمل قرآن وسنت سے استنباط کر کے کیا جاتا ہے۔اجتہاد کرنا شوریٰ یعنی مجتہدین کے ایسے گروہ کا کام ہے جس کے ارکان کا قرآن وسنت پر بھی عبور ہوتا ہے تو حالاتِ حاضرہ پر بھی۔73ء کے آئین کی وضع کردہ پارلیمنٹ میں تو ایسے گنوار بھی ہیں کہ حال ہی میں ان میں سے ایک کو عدالت میں قرآنِ مجید کی پہلی دو سورتوں کا نام پوچھا گیا تو اس نے کہا ''الحمد اور آلِ عمران''۔اس میں کیا شک کہ اسلام میں نہ کسی مقننہ کا وجود ہے اور نہ کسی قانون ساز کا۔یہ خود ساختہ آئین سازی اور قانون سازی ہی اس تمام فتنہ وفساد کی جڑ ہے جس نے دنیا بھر کو اس وقت آگ بگولہ بنا رکھا ہے۔73ء کا آئین یا کوئی بھی انسان ساختہ آئین تضادات وانحرافات کا مجموعہ ہوتا ہے۔اس چھوٹے سے مضمون میں ہمارے ہاں کے خود ساختہ آئین کا مکمل تجزیہ کرنا تو ممکن نہیں' چند تضادات کا ذکر درج ذیل ہے۔

طرزِ انتخاب

کسی بھی نظام میں طرزِ انتخاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ معرضِ وجود میں لائے جانے والے نظام کی یہ پہلی اینٹ ہے۔اگر یہ پہلی اینٹ ٹیڑھی لگ جائے تو تا ثریا دیوار کج ہی جائے گی۔قرآن وسنت کو تو یہ طرزِ انتخاب وضع کرتے وقت درخورِ اعتناء ہی نہ سمجھا گیا' اپنی خواہشات اور رسمِ زمانہ کی پیروی کرتے ہوئے اس میں ''ہر بالغ فرد' ایک ووٹ'' کے اصول کو اپنایا گیا۔اسلامی تاریخ کے ورق الٹیئے' بار بار الٹیئے' چاروں خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کا انتخاب بھی اس اصول کے مطابق نہ ہوا۔آخر کیوں؟ اس لئے کہ قرآنِ مجید اس اصول کے برعکس مستقل ایک اور اصول دیتا ہے۔قرآنِ کریم میں بار بار آیا ''اکثر الناس لا یعلمون.....لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہل ہوتی ہے''۔بالفاظِ دیگر جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت کے بل بوتے پر ہوگی' وہ نظام لازماً جاہلانہ ہوگا۔اسلام میں حقِ رائے دہی صرف اربابِ حل وعقد یعنی پہلے سے موجود اولی الامر کو حاصل ہے اور بس۔خود امیدوار کھڑے ہو کر اپنے حق میں ووٹ مانگتے پھرنا اور اپنی تعریف خود کرتے پھرنا باطل نظام کی پرورش کرنے کا ایک اور ذریعہ ہے۔اسلام پہلے ہی قدم پر اس بھیانک روش کا قلع قمع کرتا ہے۔رسول کا ارشادِ گرامی ہے:

''نہیں دیتے عہدہ ہم اسے جو خود مانگتا اور تانگتا پھرے'' (مسلم)

ہمارے ہاں کا مروجہ طرزِ انتخاب تو ویسے ہی قمار بازی کی ایک بھیانک اور وسیع تر شکل ہے۔جوئے کی فقہی تعریف یہ ہے کہ ایسا کھیل جس میں چند جوئے باز سرمایہ لگاتے ہیں۔پورے لگائے گئے سرمایہ کا فائدہ ایک جوئے باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔یہی تو ہمارے ہاں انتخابات میں ہوتا ہے۔ایک حلقے میں چند افراد سرمایہ لگاتے ہیں۔پورے لگائے گئے سرمائے کا فائدہ منتخب ہونے والا قمار باز لے اڑتا ہے' باقی تمام ہاتھ ملتے گھر لوٹتے ہیں۔تھڑے پر جوا کھیلنے والے قمار بازوں اور انتخاب لڑنے والے جوا بازوں میں البتہ ایک فرق تو یہ ہوتا ہے کہ تھڑے پر کھیلنے والے معمولی سرمایہ لگاتے ہیں جب کہ انتخابات لڑنے والے لاکھوں کی سرمایہ کاری کرتے ہیں۔دوسرا فرق یہ ہے کہ تھڑے پر جواء کھیلنے والوں کو پولیس آ پکڑتی ہے جب کہ انتخابی قمار بازوں کو حکومتِ وقت خود ہر سہولت میسر کرتی ہے تا کہ وہ جی بھر کر کھیلیں۔پھر تھڑے پر چھوٹے پیمانے پر قمار بازی کرنے والوں کے خلاف علماء کرام فتویٰ صادر کرتے ہیں جب کہ انتخابی قمار بازی علماء کرام خود کھیلتے ہیں۔

اولی الامر

73ء کے آئین کے مطابق کوئی بھی غیر مسلم رکنِ شوریٰ' رکنِ کابینہ اور رکنِ عدلیہ ہوسکتا ہے' صرف صدر اور وزیرِ اعظم کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔ایسا بھی رسمِ زمانہ کی نقالی اور انسانی خواہشات کی پیروی میں کیا گیا ہے۔اسلامی احکامات کے مطابق ہر وہ مسلمان اولوالامر کا حصہ ہے جو کسی ایسی اسامی پر تعینات ہو کہ جہاں پالیسی امور طے ہوتے ہوں یا سماجی طور پر وہ ایک فائز مقام ہو۔شوریٰ' عدلیہ' کابینہ کے اولوالامر ہونے میں کوئی کلام ہے ہی نہیں۔ربِ کائنات تو مومنوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ ''اولوالامر منکم .....یعنی اولوالامر مسلمانوں میں سے ہونے چاہئے'' بالخصوص ارکانِ شوریٰ کیلئے تو جیسا اوپر بیان ہوا مجتہد ہونا لازمی ہے۔بتایا جائے کہ درج ذیل حکم کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا نہیں؟

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ ورسول کی طرف پھیر دو اگر واقعی تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔یہی صحیح ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر'' (نساء:59)۔

ایک طرف اللہ تعالیٰ کا غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل نہ کرنے کا حکم' دوسری طرف اپنی خواہشات کی پیروی میں 73ء کے آئین میں غیر مسلموں کو اولوالامر میں شامل کرنے کا قانون' بتایئے طاغوت اور کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی قصور نہیں تھا نا مرادِ فرعون کا؟ کس قدر ڈھٹائی؟ ڈوب مرنے کا مقام ہے ان حضرات کیلئے جنہوں نے طاغوتی دستاویز پر آج سے کوئی چالیس سال پہلے مہرِ تصدیق ثبت کی اور آج تک اس عظیم حادثاتی غلطی کو دہرائے جا رہے ہیں۔

قرآنی معیارِ اہلیت

قرآن جب انتخابات کی بات کرتا ہے تو اس کے لئے پانچ اوصاف پر مشتمل معیارِ اہلیت بھی دیتا ہے۔ بڑا اہم کام ہے عوامی نمائندوں کے لئے معیارِ اہلیت مقرر کرنے کا۔ اسلام اس بارے میں کیسے خاموش رہ سکتا تھا؟ پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور:55)' تقویٰ (حجرات:13)' صلاح (نور:55)' علم اور جسم (بقرۃ:247) پر مشتمل معیارِ اہلیت خود قرآن میں دیا گیا۔ ہمارے ہاں کے مروجہ طریقِ انتخاب جسے 73ء کے آئین کی پشت پناہی حاصل ہے کی دفعات 62 اور 63 میں گو معیارِ اہلیت دینے کی بودی سی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ اسقدر ناقابلِ عمل ہے کہ عملاً صرف ایک ہی اہلیت وجہ کامیابی بن کر رہ گئی ہے اور وہ اہلیت ہے ''سرمایہ داری'' یعنی سرمایہ کاری کرنے کی استعداد۔ ربِ کائنات کو پتہ تھا کہ عیار لوگ سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کو رام کرنے کی جسارت کریں گے لہٰذا اس نے جس آیۂ مبارکہ میں علم اور جسم جیسی دو اہم اوصاف کو قرآنی معیارِ اہلیت کا حصہ بنایا اسی میں سرمایہ داری و سرمایہ کاری کو معیارِ اہلیت بنانے کی نفی کر دی۔ ملاحظہ ہو قرآن:

''ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے ''ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے''۔ نبی نے جواب دیا ''اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسے منتخب کیا ہے اس لئے کہ اسے علم اور جسم کی اہلیتیں فراوانی سے عطا کی ہیں.....'' (بقرۃ:247)۔

عورت کی سربراہی

اسلام کے معاشرتی و سیاسی نظام میں چھوٹے سے چھوٹا انتظامی یونٹ ''گھر'' ہے۔ یہ یونٹ چھوٹا تو ہے لیکن اس قدر بنیادی کہ کوئی بھی معاشرہ و تمدن بالآخر گھروں کے مجموعے سے بنتا ہے۔ جیسی اینٹ ویسی دیوار کے مصداق جیسا یہ بنیادی یونٹ ہوگا ویسا ہی معاشرہ معرضِ وجود میں آئے گا۔ اسلام نے بنا بریں اس یونٹ کی ہیئت و کارکردگی کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ خود قرآنِ مجید میں جتنی ہدایات گھریلو زندگی کے متعلق ہیں کسی اور یونٹ کے متعلق نہیں۔ پتے کی بات جو یہاں کی جانی مطلوب ہے' یہ ہے کہ اسلام اس چھوٹے سے چھوٹے یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ میں نہیں' نہ صرف مرد کے ہاتھ تھماتا ہے بلکہ اس تھمانے کی مصلحت بھی بیان کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں آیا:

''مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں.....'' (نساء:34)۔

ظاہر ہے جب اسلام چھوٹے سے چھوٹے انتظامی یونٹ کی باگ ڈور عورت کے ہاتھ نہیں تھماتا تو وہ پورے ملک کی قیادت کو صنفِ نازک کے سپرد کرنے کا کیسے روادار ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم تو سپریم ہے' خود ساختہ آئین کے مصنفین اگر سوچتے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جب اپنے گھر کی قیادت اپنی بیوی کے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں تو پورے ملک کی سربراہی اس کے ہاتھ دینے کی حماقت کیوں؟

آئین کے مصنفین تو ظاہر ہے اپنی خواہشات اور رسمِ زمانہ کی پیروی کر ہی رہے تھے' حسرت تو ان علماء کرام اور دینی سیاسی جماعتوں پر ہے جو فریب میں آ کر رسولؐ کے اس ارشادِ مبارک کو بھی گول کر گئیں کہ وہ قوم تباہ ہو گئی جس نے اپنی باگ ڈور عورت کے ہاتھ تھما دی۔ اس ایک غیر اسلامی قدم یعنی عورت کی سربراہی کی گنجائش پیدا کرنے سے خود ساختہ آئین کے وہ حصے جو سربراہِ مملکت (The President) اور وفاقی حکومت (The Federal Govt.) پر مشتمل ہیں سب غیر اسلامی قرار پاتے ہیں۔

دو سربراہان

اسلامی حکومت میں سربراہ کی حیثیت' مشروط سہی' مطاع کی ہوتی ہے۔ سربراہِ وقت کی اطاعت اسی طرح لازم کہ جس طرح اللہ و رسولؐ کی اطاعت۔ مطاع کو اگر دو یا زیادہ عہدوں میں تقسیم کر دیا جائے تو ایسے عہدے دار اسی طرح باہم متصادم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اگر دو الٰہ ہوتے تو کائنات کا نظام کبھی نہ چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر دی گئی سورۂ نساء کی آیت نمبر 34 میں مرد کو قوام بناتے وقت ایک وجہ یہ دی گئی ہے کہ کسی بھی انتظامی یونٹ میں ایک کو افضل (سربراہ) بنانا بہر حال لازمی ہے۔ خود ساختہ آئین میں دو

سربراہوں.....ایک سربراہِ مملکت (صدر) اور دوسرا سربراہِ حکومت (وزیرِ اعظم) کی پرویژن اس قدر غیر اسلامی ہے کہ اس نے پورے آئین کو اسلام کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں آئے دن صدر اور وزیرِ اعظم کی باہمی چپقلش نے تو تجربے سے بھی ثابت کر دیا ہے کہ مطاع کو منقسم نہیں ہونا چاہیئے۔ یاد رہے دورِ خلافتِ راشدہ کا اختتام ہوا ہی تو اس وقت جب ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت ہونے لگی۔ خلافتِ وقت کا دو سربراہوں میں بٹ جانا اسلامی تاریخ کا وہ عظیم حادثہ ہے کہ جس سے اتری ہوئی گاڑی آج تک پٹڑی پر نہیں چڑھ پائی۔ کس قدر پتے کی بات بتا دی ہوئی ہے ہادیٔ برحق نے' فرمایا:

''جب دو خلیفہ سے بیعت کی جاوے تو جس سے آخر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو''۔ (اس لئے کہ اس کی خلافت پہلے خلیفہ کے ہوتے ہوئے باطل ہے)۔ (مسلم)

یوں خود ساختہ آئین کا وہ تمام حصہ جو صدر' وزیرِ اعظم بلکہ پروونشیل گورنمنٹس' گورنروں' صوبوں اور فیڈریشن کے باہمی تعلقات وغیرہ پر پھیلا ہوا ہے تمام غیر اسلامی قرار پاتا ہے۔

مجلسِ شوریٰ (The Parliment)

رسمِ زمانہ نے آئین کے مصنفوں کو مجلسِ شوریٰ کے ساتھ بریکٹ میں (The Parliment) لکھنے پر مجبور کیا ورنہ اسلامی شوریٰ کو پارلیمنٹ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ مشرق کو مغرب سے۔ دونوں کے فرائضِ منصبی ہی میں 180 درجے کا فرق ہے۔ مروجہ پارلیمنٹ ایک قانون ساز ادارہ ہے جس میں بندوں کی کی ہوئی قانون سازی (جو محض ارکانِ پارلیمنٹ کی خواہشات پر مبنی ہوتی ہے) کے مطابق کاروبارِ حکومت اور کاروبارِ زندگی چلتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی شوریٰ' خلیفۂ وقت جس کا حصہ ہوتا ہے' کے ہاتھ بندھے ہوتے ہیں۔ وہ قانون سازی نہیں کر سکتے' قانون سازی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ ''ان الحکم الا للہ''۔ شوریٰ کا اصل' بلکہ اگر واحد فرضِ منصبی کہا جائے تو مضائقہ نہیں' ہر اس معاملہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دینا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں خلیفۃ المسلمین کو براہِ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہ ملیں۔ اجتہاد کی اس پرویژن سے ہی قرآن وسنت وہ درجہ اختیار کرتے ہیں کہ جسے قرآن ہی میں ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے متعلق براہِ راست قرآن وسنت سے ہدایات نہیں ملتیں۔ اسلام میں اجتہاد کی پرویژن ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔

دو ایوان

خود ساختہ آئین کا وافر حصہ دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ کے لئے مختص ہے حالانکہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں اس لئے کہ جس کیفیت وصورتِ حال کے لئے سیکولر دنیا میں یہ دو ایوانی پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے وہ اسلام میں پیدا ہی نہیں ہوتی۔ رسمِ زمانہ کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی قومی اسمبلی کا وجود تو مختلف صوبوں کی آبادی کے متناسب ارکان پر مشتمل ہے جب کہ سینٹ میں تمام چھوٹے بڑے صوبوں سے لئے گئے ارکان کی تعداد برابر ہے۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ارکانِ قومی اسمبلی کسی بڑے صوبے سے تعلق رکھتے ہوئے اپنی اکثریت کی بناء پر کسی دوسرے صوبے کو نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اسلام میں فیصلے (نہ کہ قانون سازی) جب کرنے ہی قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو علاقے' زبان یا کسی اور بنیاد پر کسی کے نفع یا نقصان پہنچانے کا امکان ہی کہاں کہ دو ایوانوں کی ضرورت پڑے۔ اسلام میں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خلیفۂ وقت ارکانِ شوریٰ کی اکثریت کی رائے پر عمل کرے۔ اگر خلیفۃ المسلمین کو تمام ارکانِ شوریٰ کے مقابلہ میں صرف ایک رکنِ شوریٰ کی رائے قرآن وسنت کے قریب تر محسوس ہو تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ یہ تو محض ایک رکن کی رائے ہے۔ ترجیح قرآن وسنت کو ہے نہ کہ اکثریت کی رائے کو۔ مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوری شوریٰ کی رائے کو ٹھکرا دیا۔ وقت نے ثابت کیا کہ ان کا فیصلہ ہی قرآن وسنت سے قریب تر تھا۔

اسلام کی رو سے البتہ دو ایوان کا ہونا اس طور جائز بلکہ ترجیح کا حامل ہے کہ ایک ایوان مرد حضرات کے لئے مختص ہو تو دوسرا خواتین کے لئے اور ہر دو کی اہمیت ووقعت یکساں ہو۔ اس سے ایک تو مخلوط مجلس' جو شریعت کی صریحاً خلاف ورزی ہے' کا انعقاد ختم ہو جائے گا اور دوسرے خواتین کھل کر بہتر انداز میں اپنی رائے اور فیصلے کا اظہار کر پائیں گی۔ شوریٰ کی اصل روح یہی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل

73ء کے آئین میں مجلسِ شوریٰ کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کا وجود تو اسلام کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور جیسا کہ شوریٰ کے نام ہی سے عیاں

ہے' شوریٰ کا اصل کام اجتہاد کرتے ہوئے خلیفہ کو مشورہ دینا ہے۔ اجتہاد' ظاہر ہے وہ کر سکتا ہے جس کا نہ صرف قرآن وسنت پر کلی عبور ہو بلکہ وہ عالمی امور سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔ اسی لئے تو عوامی نمائندوں کیلئے قرآنی معیارِ اہلیت میں ایک شرط ''علم'' کی ہے۔ کس قدر غیر اسلامی ہے 73ء کا آئین کہ اَن پڑھ تک کو رکنِ شوریٰ ہونے کی اجازت دیتا ہے (بی اے ہونے کی شرط تھی وہ بھی اب اڑا دی گئی ہے)۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی کالج میں لیکچرر تو اَن پڑھ کو تعینات کر دیا جائے اور پھر اس کمی کو پورا کرنے کیلئے اہل افراد کی ایک علیحدہ ٹیم بنا کر خواہ مخواہ کالج کے بجٹ پر بوجھ ڈالا جائے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی 180 درجے مخالفت نہیں جسمیں کہا گیا ہے کہ ''امانتیں (عہدے) اہل افراد کے سپرد کرو'' (نساء: 58)۔

وفاقی شرعی عدالت

شرعی عدالت کی 73ء کے آئین میں پرویژن سے تو سو فیصد عیاں ہے کہ اس آئین کو بنایا ہی گیا اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت شرعی ہے تو کیا پاکستان میں کوئی غیر شرعی عدالت بھی مطلوب ہے؟ عدالت اور غیر شرعی' چہ بوالعجبی ؟ انسان جب قانون سازی کرے گا تو ایسی قانون سازی کا تضادات کا مجموعہ ہونا لازمی ہے۔

حلف

عوامی نمائندے (MNA, MPA) جو حلف اٹھاتے ہیں اس میں قرآن وسنت کے الفاظ تک نہیں اس لیے کہ ایک مسلمان نمائندے نے جو حلف اٹھانا ہوتا ہے وہی ایک غیر مسلم نمائندے نے بھی۔ شنید ہے کہ آئین کے مصنفین جب حلف کی عبارت تیار کر رہے تھے تو سوال پیدا ہوا کہ اگر قرآن وسنت کے تحفظ کا ذکر کیا گیا تو غیر مسلم ایسا حلف کیوں اٹھائیں گے؟ لہٰذا اس آئینِ پاکستان کا ذکر کیا گیا جو ہے ہی غیر اسلامی اور اس اسلامی نظریے کا ذکر کیا گیا جسے مروڑا گیا تو اتنا کہ وہ انسان ساختہ آئین بنانے سے عین پہلے پاکستان کو دولخت کر چکا۔ الٹا کان پکڑا گیا تو قرآن وسنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے۔

طریقِ قانون سازی

قانون سازی اور بندوں سے ''ان الحکم الا اللہ'' کی کھلم کھلا خلاف ورزی تو ہے ہی' بیچارے رحمت کا ہاتھ کانپ رہا ہے اس طریقِ قانون سازی کو تحریر میں لاتے جو 73ء کے جمہوری آئین میں درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قانون سازی یا متبادل قانون سازی کی تحریک خواہ عدالت کی طرف سے ہو' اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے یا کسی رکنِ شوریٰ کی طرف سے' دو صورتوں سے دوچار ہوتی ہے۔ پہلی صورت تو یہ کہ حکومتِ وقت ایسی ترمیم یا قانون سازی کو دل سے قبول نہیں کرتی۔ ایسا ہو تو حیلے بہانے بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھتی اس لئے کہ حکومتِ وقت کے پاس ٹالنے کے اَن گنت طریقے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے وہ ٹالتی ہی چلی جاتی ہے۔ اگر پارلیمنٹ میں ہی معاملہ آ جائے تو چونکہ پارلیمنٹ میں حکومتِ وقت کی اکثریت ہوتی ہے لہٰذا معاملہ وہی بن جاتا ہے کہ کب گوندھا جائے' کب پکایا جائے اور کب کھانے کی نوبت آئے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ حکومتِ وقت بھی ترمیم یا نئی قانون سازی کے حق میں ہوتی ہے اور دل وجان سے ترمیم کرنا چاہتی ہے لیکن خود ساختہ آئین میں ترمیم کیلئے دو تہائی اکثریت کا ہونا لازمی ہے۔ یاد رہے کہ تاریخِ پاکستان میں کم ہی ایسا ہوا ہے کہ حکومتِ وقت کو دو تہائی اکثریت حاصل ہو اور یہ دو تہائی اکثریت کا میسر نہ ہونا صدیوں پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ ایسے میں مطلوبہ ترمیم کا کیا حشر ہوگا؟ یہی نہ کہ عدالتیں بھی' حکومتِ وقت بھی حتیٰ کہ پوری قوم بے بس ہوگی۔ ترمیم نہیں کر پائے گی خواہ عدالت میں آئین کے جس حصے کو بدلنا ہے' وہ غیر شرعی قرار پا چکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کل کو میدانِ حشر میں پوچھے گا کہ خود ایک دفعہ شق کو غیر شرعی قرار دینے کے بعد تم اس کے ساتھ کیوں چمٹے رہے؟ ظاہر ہے' جواب یہی ہوگا کہ ہمارے ہاتھ دو تہائی اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے بندھے تھے۔ بتایئے' اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذر کیا قابلِ قبول ہوگا؟ اللہ تو یہی کہے گا کہ تم کو کس حکیم نے کہا تھا کہ ہاتھ باندھنے والا کتابچہ خود تیار کر کے اسے آئینِ مملکت قرار دے دو۔ میرے عطا کردہ ازلی وابدی آئین کو مہجور ومفلوج کر کے' یہ خود ساختہ آئین بنانے کی تم نے جسارت وحماقت کی ہی تو کیوں؟ یہی تو وہ موقع ہوگا جب اپنی امت کی کبھی شکایت نہ کرنے والے نبی ﷺ پکار اٹھیں گے تو یوں: ''اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کئے رکھا'' (فرقان: 33)

اب آیئے' اس چوتھی وجہ کی طرف کہ جس کی بنیاد پر 73ء کے آئین کو اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ موجودہ تمام قوانین کو اسلامی ہدایات جیسے کہ وہ قرآن وسنت میں موجود ہیں کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ تاتاریخ دو قوانین کو عدالت میں لایا گیا:

وفاقی شرعی عدالت نے 16 اکتوبر 1989ء کو طرزِ انتخاب کے متعلق دائر کردہ شرعی درخواستوں کا فیصلہ سناتے ہوئے عوامی نمائندگی کے قانون کی دفعات 13، 14، 49، 52 اور 38 (4) (سی) (ii) کو قرآن وسنت کے متصادم قرار دیا اور صدرِ پاکستان کو ہدایت کی کہ 31 دسمبر 1989ء تک متبادل قانون سازی کر لی جائے۔ اسی طرح 14 نومبر 1991ء کو اسی عدالت نے سود کے متعلق 22 قوانین کو کالعدم قرار دیتے ہوئے ان قوانین کو 30 جون 1992ء تک اسلامی احکامات کے مطابق ڈھالنے کی ہدایت دی۔ آج تک ایسا نہیں ہو پایا۔ دونوں قوانین عدالت سے غیر شرعی قرار دیئے جانے کے علی الرغم اہلِ پاکستان کا مقدر ہیں۔ اس میں کیا شک کہ پچھلی صدی کا یہ سب سے بڑا فریب تھا۔

یہ بات تو ہوئی صرف ان دو قوانین کی جنہیں عدالت نے غیر شرعی قرار دے کر متبادل قوانین بنانے کی ہدایات دیں لیکن وہ آج تک جوں کے توں غیر اسلامی ہیں لیکن، جیسے کہ اوپر ذکر ہوا خود ساختہ آئینِ پاکستان میں تو درجنوں ایسے قوانین ہیں کہ جن کو مشرف بہ اسلام کیا جانا ضروری ہے۔ قیامت آجائے گی لیکن اسلامی نظام لانے کا دعوے دار آئین خود اسلامی نہیں ہو پائے گا۔ کیسا پر فریب نکلا خود ساختہ آئین۔ قرآن وسنت کو آئین نہ بنایا تو اہلِ پاکستان سرگرداں ہیں اس حیوان کی طرح کہ جو گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔

☆ خود ساختہ کتابچہ تیار کر کے اسے بطور آئین پیش کرنے کی جسارت تو مشرکینِ مکہ نے بھی نہ کی باوجود اس کے کہ انہیں قرآنِ مجید میں ایسا کرنے کا بار بار چیلنج دیا گیا۔ ان کے متعدد وفود نبی کائنات ﷺ کی خدمت میں کئی بار یہ مطالبہ لے کر آئے کہ ''اس (قرآن) کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں ردوبدل کر دو'' (یونس:15)۔ مطلب یہ کہ ان کی خواہشات ومفادات کا بھی عمل دخل ہو جائے لیکن خواہش رکھنے کے باوجود خود وہ کوئی آئین بنا کر پیش نہ کر سکے۔ صد حیف، ایسا کیا تو آج کے آئین سازوں نے۔ کیا وقت ابھی نہیں آیا کہ ہم کھلے دل اپنی غلطی کو تسلیم کریں؟

☆ کسی بھی ملک میں آئین اعلیٰ ترین دستاویز ہوتی ہے، یہ تضاد ہمارے ہاں ہی پایا جاتا ہے کہ اعلیٰ ترین دستاویز تو قرآنِ مجید ہے اور آئین خود ساختہ کتابچہ ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ وہ ممالک تو یکسو ہیں جہاں ایک آئین رواں دواں ہے۔ وہ غلط ہیں تو غلطی میں بھی یکسوئی ہے۔ اس کے برعکس دو آئینوں والے ممالک تذبذب، دوغلا پن اور منافقت کا شکار ہیں۔ ایک آئین والوں کی پیش رفت تیز تر ہے جبکہ دو آئینوں والے ممالک کی پیش رفت منافقانہ زنجیروں مین جکڑی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی کہ اغیار کی تو مجبوری ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ایک کتابچہ لکھ کر اسے آئینِ مملکت قرار دیتے ہیں اس لیے کہ ان کے پاس کوئی ازلی وابدی آئین ہے ہی نہیں۔ ہم قرآن وسنت کو پسِ پشت ڈال کر خود ساختہ آئین بنائیں تو کیوں؟ حل ان الٹی راہوں پر بگٹٹ دوڑنے کا ایک ہی ہے کہ قرآن وسنت کو ہی آئینِ مملکت بنایا جائے۔

مجموعی طور پر 73ء کا خود ساختہ آئین جمہوریت کے نفاذ، فروغ اور استحکام کیلئے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جمہوریت جسے اتنی ناز ونعمت سے پالا جا رہا ہے اور جو زیادہ تر غیر اسلامی ممالک میں رواں دواں ہے آخر کس بلا کا نام ہے؟ بات، اصل میں قانون کی ہے جس کی بنیاد پر کوئی نظام معرضِ وجود میں آتا ہے۔ اگر نظامِ زندگی اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ قوانین، جو جیسے کہ اوپر ذکر ہوا اللہ نے پوری انسانی تاریخ پر آسمانی کتابوں کی تنزیل اور انبیاءؑ ورسلؑ کی بعثت کے ذریعہ میسر کر رکھے ہیں، پر مبنی ہو تو قرآن وسنت ایسے نظام کو خلافت کا نام دیتے ہیں۔ اس کی بجائے اگر نظامِ زندگی کسی آمر کے مہیا کردہ قوانین پر مبنی ہو تو اسے آمریت کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر کسی طبقے یا گروہ کے مہیا کردہ قوانین پر مبنی ہو تو اسے اشتراکیت کہتے ہیں اور اسی طرح کسی خطۂ ارض کے تمام عوام یا جمہور کی مت ماری جائے اور وہ کوئی خود ساختہ آئین بنا کر اس پر اپنا نظامِ زندگی استوار کریں تو اسے جمہوریت کہتے ہیں۔ بڑا فرق جو پڑتا ہے تو یہ کہ نظامِ خلافت تو اس ہستی کا وضع کردہ جو خالق ومالکِ ارض وسما ہے اور جسے ہی انسان، جو فطرت کی فیکٹری کا پروڈکٹ ہے، کیلئے قانون سازی کا حق حاصل ہے جبکہ آمریت، اشتراکیت، جمہوریت وغیرہ انسان ساختہ نظام ہیں۔ خلافت اللہ ساختہ ہونے کی بنا پر عبادت ہے جبکہ جمہوریت، اشتراکیت، آمریت وغیرہ انسان ساختہ ہونے کی بنا پر بغاوت ہیں۔ صرف بغاوت ہی نہیں، جیسے کہ سورۂ مائدہ کی آیات نمبر 45,44 اور 47 میں بیان ہوا کفر بھی ہیں، ظلم بھی تو فسق بھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں انسانی ہونے کی نسبت سے شرک بھی ہیں۔ جس نظام میں یہ چاروں یعنی کفر، ظلم، فسق اور شرک اکھٹے ہو جائیں اس کے حرام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ بنابریں آمریت حرام ہے، جمہوریت حرام ہے، اشتراکیت حرام ہے۔

وہ نظام یعنی جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام جو 73ء کا آئین لاتا ہے کی حرمت میں رتی بھر فرق نہیں پڑتا خواہ اس کے ساتھ سو دفعہ اسلامی کا شوشہ لگا دیا جائے۔ اسلامی جمہوریت اسی طرح حرام ہے جیسے اسلامی شراب یا اسلامی زنا۔ واسطہ اس ہستی کے ساتھ ہے جو شیطانی حربوں کے طول وعرض کو خوب سمجھتا ہے۔

☆ آج ہمارے ہاں اختیار کردہ دین یا نظام زندگی میں خلیفۃ المسلمین کا وجود نہیں اور اس ایک وجہ سے ہمارے ہاں متعدد قرآنی اداروں مثلاً اولوالامر، شوریٰ، امت (جو اقوام میں بٹ چکی) کا وجود بھی نہیں اور اس وقت سے نہیں جب سے خلیفۃ المسلمین کو چلتا کر کے ملوک آدھمکے۔ یاد رہے خلیفۃ المسلمین ان تمام اداروں کا جز ہوتا ہے قرآن وسنت کو آئینِ مملکت قرار دینے سے یہ تمام ادارے خود بخود ہمارے اختیار کردہ دین میں عود کر آتے ہیں۔ ان قرآنی اداروں کی عدم موجودگی میں دین بے دینی کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔

دینِ حق کی وہ برکات جو دورِ خلافتِ راشدہ کے مسلمانوں کو حاصل تھیں ہمیں اس لیے حاصل نہیں کہ مذکورہ اداروں کے نہ ہونے سے ہمارا اختیار کردہ دین ناقص و نامکمل ہے۔ اور بنابریں قرآن وسنت ہی ہمارے ہاں اگر آئینِ مملکت ہوتا تو ظلم، بدامنی، پسماندگی و درماندگی، انتشار، مغلوبیت کی بجائے اسی طرح عدل، امن، خوشحالی، اتفاق اور غلبۂ دین ہوتا جیسے کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں تھا۔

☆ کچھ لوگوں کا یہ تصور کہ قرآن وسنت کیسے آئینِ مملکت قرار پا سکتا ہے کہ جب اس میں مثال کے طور پر پوسٹ آفس کے ضوابط، لوکل باڈیز کی ورکنگ، زراعت، انجینئرنگ وغیرہ کی تفاصیل نہیں ہیں۔ یہ سوچ فرسودہ اور بڑی گمراہ کن ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ چیزیں تو 73ء کے آئین میں بھی نہیں۔ اصل میں آئین تو اساسی اصولوں کی دستاویز ہوتی ہے، تفصیلی ہدایات (Working details) تو ہمیشہ ذیلی دستاویزات میں ہوتی ہیں۔ قرآن وسنت کے بطور آئین ہوتے ہوئے بھی کئی ایک ذیلی دستاویزات بنانا پڑیں گی لیکن ایک بڑی شرط کے ساتھ کہ ان دستاویزات کی حیثیت ذیلی ہوگی نہ کہ خود آئینِ مملکت کی۔ غلط تصور ہے ان نادانوں کا جو یہ سوچ رکھتے ہیں کہ آئینِ قرآن وسنت نامکمل ہے یا وہ ناقابلِ عمل ہے۔

☆ کچھ سطح بیں دانشوروں کا خیال ہے کہ خودساختہ آئین میں اگر چند ایک ترامیم کر دی جائیں تو قانون کی حد تک اسلامی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ کاش وہ جانتے کہ یہ سوچ اس قدر پرفریب و پرفتن ہے کہ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ دراصل 73ء کے خودساختہ آئین کا متفقہ منظور کیا جانا اور آج کا یہ خودساختہ آئین میں چند ترامیم کر کے اسے قائم ودائم رکھنا ایک ہی سوچ کے مظہر ہیں۔ اکثر و بیشتر ہماری یہ بدقسمتی رہی ہے کہ ملکِ عزیز پاکستان میں اسلام کی مخالفت کرنے والے مقتدر اور اسلام کو بطور نظام لانے والے غیر مقتدر رہے ہیں۔ اسلام لانے والوں کی ذہنیت پر ہمیشہ یہ سوار رہا ہے کہ ایک وقت پر جتنا کچھ حکمرانوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے کر لیا جائے، باقی ماندہ کا حصول کسی دوسرے موزوں وقت پر کر لیا جائے۔ یہ سوچ اسوۂ رسول ﷺ کے صریحاً خلاف ہے۔ مشرکین بار بار یہ آفر لے کر آئے کہ کچھ لے دے کر معاملہ کر لیا جائے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ایک قدم بھی باطل نظام کے ساتھ چلنے سے انکار کیا۔

اس موضوع پر ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہم اپنی گزارشات اس نتیجے پر ختم کرتے ہیں کہ قرآن وسنت اگر اول روز سے آئینِ پاکستان قرار دیا جاتا تو ملکِ عزیز وقفے وقفے سے بے آئین نہ ہوتا۔ بار بار آئین کی تدوین کی ضرورت نہ پڑتی۔ کوئی طالع آزما ایسے آئین کو مفلوج و معطل کرنے کی حماقت کرتا تو خود تکا بوٹی ہو جاتا۔ اس ملک میں مارشل لاء کبھی نہ لگتا۔ ملک دولخت نہ ہوتا۔ اہلِ پاکستان کے ہاتھ میں کشکول نہ ہوتا۔ ملکِ عزیز کسی سپر پاور کا دم چھلا نہ بنتا۔ ہماری معیشت کبھی ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ کے رحم وکرم پر نہ ہوتی۔ کسی بیرونی طاقت کو ہمیں ڈکٹیشن دینے کی نوبت نہ آتی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کے حضور یہ نہ کہنا پڑتا کہ ''اے اللہ! میری قوم نے قرآن کو مہجور و معطل کیے رکھا''۔ شروع میں کہے گئے ہم اپنے اٹل فیصلے کو پھر دہراتے ہیں کہ ''آئینِ انسانیت یعنی قرآن وسنت کا ہی حق ہے کہ وہ آئینِ پاکستان ہو''۔ مطلع فرمائیں، آپکا کیا خیال ہے؟ ہم سب نے ایک دن اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔

نوٹ: آپکا وقت بہت قیمتی ہے لیکن اس تحریر کا پڑھنا اس سے ہزار گنا زیادہ قیمتی ہے۔